جناب مرزا نظام الدین بیگ

کیا فیضی اور ابوالفضل بے دین تھے؟

شہنشاہ اکبر کی دینی بے راہ روی کے سلسلے میں دو نام کثرت سے نظر آتے ہیں۔ ایک فیضی اور دوسرا ابوالفضل۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی تاریخ "منتخب التواریخ" میں ان کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے اور بادشاہ کی گمراہی کا ذمہ دار ان ہی دونوں کو ٹھہرایا ہے لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اکبر نے اسلام کے خلاف جتنی بدعتیں رائج کیں ان میں سے ایک کے متعلق بھی بدایونی نے یہ نہیں لکھا کہ وہ فیضی یا ابوالفضل نے بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اسے سجھائی تھی۔ دربار اکبری میں جتنی بدعتیں رائج ہوئیں ان سب کے لیے دوسروں کے نام نظر آتے ہیں۔ لیکن اکبر کی گمراہی میں یہی دونوں بھائی پیش پیش بتائے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں بدایونی ہی تنہا شاہد ہے اور یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ وہ فیضی اور ابوالفضل کا ہم جماعت رہ چکا تھا، لیکن قدر و منزلت میں ان بھائیوں کے مقام تک نہ پہنچ سکا، لہٰذا نفسیاتی ردِ عمل حسد کی صورت میں ابھرا اور اس کے قلم سے مترشح ہونے لگا۔ چنانچہ ان دونوں کے حالات میں اس نے موقع موقع سے خوب نیش زنی کی ہے۔ مثلاً ایک جگہ ابوالفضل کے سلسلے میں لکھتا ہے کہ ایک دفعہ مجھ سے ابوالفضل کہنے لگا کہ مجھے جملہ مصنفین سے دو شکایتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ سابق پیغمبروں کے حالات انھوں نے تفصیل سے نہیں لکھے۔ دوسرے تذکرۃ الاولیا، نفحات الانس اور اسی طرح کی دوسری کتابوں میں ہر اہلِ حرفہ کے حالات لکھے ہیں۔ پتہ نہیں، اہلِ بیت نے کیا گناہ کیا تھا کہ ان کے حالات ان تذکروں میں نہیں ملتے۔ بدایونی نے جو مناسب سمجھا جواب دیا پھر بدایونی نے اس کے معتقدات معلوم کرنے کے لیے فوراً ابوالفضل سے پوچھا کہ "میلِ شما ازیں مذاہب مشہورہ بکدام بیشتر باشد"۔ ابوالفضل نے جواب دیا: "مے خواہم کہ روزی چند در وادیِ الحاد سیری بکنم"۔ ابوالفضل نے بات بے تکلفی کے انداز میں کہی۔ لیکن چوں کہ بدایونی کو یہ دکھانا تھا کہ ابوالفضل اسلام سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا، لہٰذا اس جواب کو ایسے انداز میں پیش کیا کہ پڑھنے والا

یہ سمجھے کہ ابوالفضل کا اعتقاد بھی یہی تھا۔ میں اجمالاً فیضی اور ابوالفضل کی تحریروں سے ان کے اعتقادات ظاہر کروں گا۔

فیضی برصغیر پاک و ہند کی فارسی شاعری میں ایک بلند مقام کا حامل ہے۔ علم و فضل میں بھی اس کا درجہ اپنے معاصرین میں بہت ممتاز تھا۔ اس کی عربی دانی کا اندازہ اس کی لکھی ہوئی قرآن پاک کی تفسیر سواطع الالہام سے بخوبی ہوسکتا ہے جو منقوط الفاظ سے مبرا ہے۔ فارسی زبان پر اسے کامل دست رس تھی جس کا ثبوت اس کے بلند اور نادر شاعرانہ افکار ہیں۔ سنسکرت زبان کا بھی جید عالم تھا۔ بدایونی بھی اس کے تبحر علمی کا معترف ہے اور لکھتا ہے: "در فنون جزئیہ از شعر و معمہ و عروض و قافیہ و تاریخ و لغت و طب و خط و انشا عدیل دہ روزگار نداشت"[1] لیکن اس کی شہرت شاعر کی حیثیت سے زیادہ ہے۔ دربار اکبری میں وہ اپنی شاعری ہی کے ذریعے باریاب ہوا تھا۔ اکبر نے اسے ملک الشعرا کا خطاب دیا تھا۔ وہ ایک نکتہ رس نگاہ کا مالک تھا۔ مذہبی معاملات میں آزاد خیال اور وسیع النظر تھا۔ تمام علوم قرآنی کو عقل کی میزان پر تولنے کا عادی تھا۔ وہ اپنے وقت کے علما اور فقہا کی ظاہری اور باطنی زندگی میں تضاد دیکھ کر نہایت بے باکی سے اظہار خیال کرتا ہے:

زبان کشیدہ بداد القضائی عجب دریا — شہود کذب ز دعوی گران ایمانی
اگر حقیقت اسلام در جہان این است — ہزار خندہ کفر است بر مسلمانی

فیضی مفکرانہ ذہن کا مالک تھا اور الہیاتی مسائل میں عقل و دانش کا پیرو تھا۔ اس نے حقیقت ازلی کی تلاش عقل کے راستوں سے شروع کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تاریکیوں میں بھٹکتا رہا۔ جب اس طرح حقیقت ازلی کا ادراک نہ کرسکا تو نفی کی وادی میں گم ہوگیا۔ لیکن اس گم شدگی کے بعد تائید غیبی نے انشراح قلب کردیا اور اسے محسوس ہوگیا کہ اس راستے میں عقل اس کی رہبری سے قاصر ہے۔ چناں چہ ان رباعیات میں اس کا اعتراف کرتا ہے:

چندانکہ بعقل گیرو دار است مرا — صد گونہ گرہ بکار و بار است مرا
اے عقل برو کہ از تو کارم نشود — وی بخت بیا کہ با تو کار است مرا

---

[1] بدایونی منتخب التواریخ، ج ۳

ذاتِ تو کجا و حلّۂ ادراک کجا　　کنہِ تو کجا و دلِ ہوسناک کجا
ہیہات کجا و تو کجا با ہیہات　　خورشید کجا و ذرّۂ خاک کجا

پھر حقیقتِ ازلی کی تلاش میں عقل کی نارسائی کا احساس کرتے ہوئے کہتا ہے :

در رہِ ادراکِ تو ماندہ معطل زکام　　جملہ عقول و نفوس جملہ حواس و ذکا

جب تلاشِ معرفت میں عقل کی درّاکی بے بس نظر آئی تو باری تعالیٰ سے نورِ بصیرت کی التجا کرتا ہے :

ذرّۂ از نورِ خود کحل جواہر بخش　　تا کہ پذیرد ز آن دیدۂ جانم ضیا

ایک دوسرے مقام پہ بارگاہِ خداوندی میں التجا کرتا ہے :

یارب ز کرم امید بے بیم دہ　　علمی کہ رضائے تست تعلیم دہ
تاریکیِ عقل در کشاکش دارد　　از شمعِ رضا فروغِ تسلیم دہ

پھر حضورِ احدیت میں یوں دست بدعا ہوتا ہے :

یارب بصفائے صبح عیسیٰ نفسان　　یا رب بفروغِ شام موسیٰ قبسان
ابرِ کرمت چو فیض بخشد بخسان　　یک قطرہ ازان فیض بفیضی برسان

عقل کی تاریکیوں میں بھٹکنے کے بعد نورِ یقین اس کی بصیرت کو نصیب ہوگیا۔ چناں چہ حقیقتِ ازلی کا تیقن کرتے ہوئے کہتا ہے :

آن ذات کہ عقل از و نشان دید نہ　　وان نور کہ دیدۂ گمان دید نہ
جز نور نہ دلی چو نیکو نگرم　　نوری کہ بدین دیدۂ تواں دید نہ

یہ خیال وہی سالک پیش کرسکتا ہے جسے یقین کی منزل مل گئی ہو :

آن نیست کہ ما ارض و سما نشناسیم　　سرِ قدر و راز قضا نشناسیم !
این مژدہ ہزار عالم و آنچہ دراوست　　نشناختہ بہ، اگر ترا نشناسیم !!

ایک نعتیہ رباعی ملاحظہ ہو جس کا دل نورِ ایمانی سے خالی ہو بھلا اس کے کلام میں یہ شدت کہاں سے پیدا ہوسکتی ہے :

شاہی کہ درش قبلۂ عالم دانند　　گرد قدمش سپہرِ اعظم دانند

ہر دل کہ اثر پذیر نبود از وے حقّا کہ زسنگ خارہ اش کم دانند

استاذ محترم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، پروفیسر سندھ یونی ورسٹی کا ایک طویل مضمون "حضرت مجدّد الف ثانی پر حرف گیری کا جائزہ" کے نام سے کچھ عرصہ پیشتر کتابی صورت میں شائع ہوا ہے۔ فاضل محترم اس کتاب کے صفحہ ۱۷ تا ۱۹ پر تحریر فرماتے ہیں: "اب یہ دیکھنا ہے کہ وہ جو بدایونی نے لکھا ہے کہ چند ہندوؤں اور بے ایمان مسلمانوں نے نبوّت پر صریح اعتراضات شروع کر دیے تھے، اسی لیے تمام بے دین مصنفین نے اپنی تصانیف میں نعت موقوف کر دی اور ہر کتاب کے خطبے میں بعد حمد کے القاب بادشاہی درج ہوتا تھا، اس کی تمام جہان میں بدنامی ہوئی"[1] کیا بدایونی نے یہ بات صحیح لکھی ہے؟ ابوالفضل نے ۹۹۶ھ میں عیار دانش مکمل کی۔ اس میں حمد کے بعد مجھے تو نعت نظر نہیں آتی۔ اسی طرح اکبر نامہ (مطبوعہ کلکتہ ۱۸۷۷ء) کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، حمد، نعت اور منقبت بھی ہے۔ لیکن آئینِ اکبری (مطبوعہ کلکتہ ۱۸۷۳ء) شروع میں اللہ اکبر کے بعد حمد اور پھر بادشاہ کا ذکر ہے نعت نہیں ہے۔ فیضی کی مثنوی مرکز ادوار (مرتبہ ۹۹۳ھ) کا حال بھی سن لیجیے۔ اس مثنوی کے دو نسخے (قلمی) علی گڑھ میں ہیں۔ ایک لٹن لائبریری میں اور دوسرا حبیب گنج کے خزینہ میں۔ اس میں حمد کے بعد کئی مناجات ہیں۔ پھر اکبر کی مدح ہے اور اس کے بعد پیرایۂ آغاز ہے نعت مطلق نہیں ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے فیضی کی مثنویوں میں صرف نل و دمن شائع ہوئی ہے، اور صرف نل و دمن اور مرکز ادوار تکمیل کو پہنچی، بقیہ تین مثنویوں (خمسہ میں سے) کے صرف چند اشعار ہی ملتے ہیں۔ ان میں بھی مناجات کا انداز ہے نعت نہیں ہے۔ بدایونی کے قول کو اب ہم کیوں کر رد کر سکیں گے؟ حمد میں فیضی کے اشعار اس کے دیوان میں بھی ملتے ہیں لیکن نعت میں ایک ہی رُباعی نظر آتی ہے جو معلوم نہیں کب لکھی تھی:

سلطانِ رُسل، ماہِ عجم، شاہِ عرب سنگِ درِ او قبلہ گہ اہلِ عرب
از تابش قہر او کہ دشمن سوز است گر سنگ شود موم عجب نیست عجب

---

[1] بدایونی، کتاب مذکور، ص ۳۳۵

اس رباعی میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف "قہر" کی تعریف کی گئی ہے۔ معلوم نہیں کہ کہ صرف اسی "خوبی" میں کیا خصوصیت نظر آئی موصوف نے اس رباعی کو پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ نعت میں کئی پُر اثر رباعیات ہیں اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اس طرح کی کئی رباعیاں نعت میں ہیں۔ خدا جانے وہ رباعیات کون سی دُرج مکنون میں ہوں گی ہم کو تو نظر نہیں آئیں۔"

میں ڈاکٹر صاحب کا ایک ادنیٰ نیازمند ہوں۔ ان کے تبحر علمی کے علاوہ ان کی پاکیزہ شخصیت سے آشنائی کا شرف بھی حاصل ہے لیکن:

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق نے ابلۂ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند

چنانچہ اس سلسلے میں غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔ مندرجہ بالا اقتباس میں ڈاکٹر صاحب نے ارشاد فرمایا ہے کہ "ابوالفضل نے ۹۹۶ھ میں عیار دانش مکمل کی۔ اس میں حمد کے بعد مجھے تو نعت نظر نہیں آئی"۔ پھر فرماتے ہیں: "لیکن آئینِ اکبری میں اللہ اکبر کے بعد حمد اور پھر بادشاہ کا ذکر ہے نعت نہیں ہے"۔ ڈاکٹر صاحب کا ارشاد بجا ہے ان دونوں کتابوں میں نعت نہیں ہے۔ لیکن عرض یہ ہے کہ لفظ نعت اردو زبان میں اصطلاحی معنی میں ہی استعمال ہوتا ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی منظوم تعریف و توصیف۔ زمانۂ قدیم میں مصنفین یہ التزام صرف منظوم کتابوں میں ملحوظ رکھتے تھے منثور کتب میں باری تعالیٰ کی توصیف کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں توصیفی کلمات ضرور ہوتے تھے۔ اور اگر ان کلمات پر لفظ نعت کا اطلاق ہو سکتا ہے تو بے شک یہ دونوں متذکرہ کتابیں اس سے خالی ہیں۔ اس سلسلے میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ ابوالفضل کی "عیار دانش" کوئی طبع زاد کتاب نہیں ہے بلکہ حسین واعظ کاشفی کی کتاب "انوار سہیلی" کو خالص فارسی زبان میں منقلب کیا گیا ہے۔ لہٰذا ابوالفضل نے اگر اس میں مروّجہ اسلوب نگارش اختیار نہیں کیا تو اس سے یہ نتیجہ کیسے نکالا جا سکتا ہے کہ اس نے قصداً نبی کریمؐ کے لیے توصیفی کلمات نہیں لکھے ہیں۔ یہ کوئی اس کی اپنی تخلیق تو نہ تھی؟ اب رہ جاتی ہے "آئینِ اکبری" تو یہ کوئی علیحدہ کتاب نہیں بلکہ "اکبر نامہ" کا تیسرا حصہ ہے اور اس کتاب میں حمد کے بعد نعت موجود ہے جب آغازِ کتاب میں مروّجہ آداب کا التزام ابوالفضل برت چکا تھا تو پھر "آئینِ اکبری" میں جو اصل کتاب کا تیسرا حصہ ہے اس کی کیا ضرورت تھی۔ اور پھر قابلِ غور بات یہ ہے کہ "اکبر نامہ" ۱۰۰۴ھ

میں لکھا گیا تھا اور اس میں نعت موجود ہے۔ عیار دانش ۹۹۶ھ میں لکھی گئی۔ اگر بقول بدایونی اس دور میں ایک منظم سازش کے تحت تصنیفات سے نعتیں خارج کی جا رہی تھیں تو "اکبر نامہ" میں جو ۱۰۰۴ھ میں لکھا گیا، نعت کیوں موجود ہے؟

فیضی کی مثنوی "مرکز ادوار" میں نعت نہ ہونے کی توجیہہ بظاہر میرے لیے دشوار ہے۔ کیوں کہ اس کا کوئی قلمی نسخہ میری دست رس میں نہیں ہے لیکن ڈاکٹر صاحب قبلہ نے یہ تحریر نہیں فرمایا کہ وہ دونوں قلمی نسخے کس زمانے کے کتابت شدہ ہیں؟ اگر ان میں سے کوئی اس عہد کا لکھا ہوا ہے یا قریب العہد ہے تو بے شک درخورِ اعتنا ہے ورنہ مشکوک ہے۔ میری ناچیز تحقیق یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور ہے کہ فیضی کی تصانیف سے منظم طور پر نعتیں حذف کی گئی ہیں۔ (ثبوت آگے پیش کر رہا ہوں)

نل و دمن کے نسخوں میں نعت باقی رہنے کی وجہ یہ ہے کہ بدایونی اس کی شہادت دے چکا تھا۔ بڑی حیرت کی بات ہے کہ اس کی دوسری مثنوی "نل و دمن" میں جو ۱۰۰۳ھ میں لکھی گئی قریب ۱۰۰ اشعار کی نعت اور ۸۲ اشعار کا معراج نامہ موجود ہے[1] جس کے بارے میں بدایونی نے لکھا ہے کہ آخری وقت میں بعض دوستوں کی انتہائی منت و سماجت سے مجبور ہو کر چند شعر نعت اور معراجِ نبویؐ پر لکھے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا کوئی عظیم شاعر اپنے قلبی محسوسات کے خلاف بھی شعر کہہ سکتا ہے؟ نل و دمن کی نعت کے چند شعر ملاحظہ ہوں:

آن مرکز دور ہفت جدول[2] ۔ گرداب نشین موجِ اول[3]
مشعل بہ پیش گاہ اقرار ۔ آتش زنِ دودمانِ انکار
تسخیر دو کون رایتِ او ۔ تفسیر دو حرف آیتِ او
خاکی و براوج عرش منزل ۔ امی و کتاب خانہ در دل
لطفش کہ مثالِ فاستقم یافت[4] ۔ طغرای جوامع الکلم یافت[5]

---

[1] خطی نسخہ قومی عجائب خانہ، کراچی۔ [2] آسمان
[3] بہ اعتبار فیض رسانی اولیت ہے۔ اگرچہ نبی الزمان ہیں۔ [4] فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ۔
[5] لفظ اندک و معنی بسیار۔

عالم کہ سر از عدم کشیدہ — از سایۂ اوست آفریدہ

کیا ان اشعار میں اس کی روح کا ارتعاش محسوس نہیں ہوتا؟ کیا یہ اشعار اس کے قلبی محسوسات کے غماز نہیں ہیں؟ کیا نل و دمن کی پوری نعت اور معراج نامہ سے قاری کے دل و دماغ پر یہ تاثر قائم نہیں ہوتا کہ یہ شاعر کے نہاں خانۂ دل کی بازگشت ہے؟

یہ تو ہوئی "نل و دمن" کی حمد و نعت کی بات اب پوری مثنوی کے متعلق خود بدایونی کے تاثرات ملاحظہ فرمائیے۔ ۱۰۰۳ھ کے واقعات کی ترقیم کے سلسلے میں اس مثنوی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے: "والحق مثنوی ایست کہ دریں سی صد سال مثل ایں بعد از امیر خسرو شاید در ہند کسے دیگر نگفتہ باشد[۱]"

فیضی خمسہ لکھنے کے ارادے کی تکمیل نہ کر سکا۔ اس سلسلہ کی صرف دو مثنویاں "مرکز ادوار" اور "نل و دمن" ہی مکمل کر سکا باقی کی تکمیل نہ ہو سکی اور بقول ڈاکٹر صاحب "بقیہ تین مثنویوں کے صرف چند اشعار ہی ملتے ہیں۔ ان میں بھی مناجات کا انداز ہے نعت نہیں ہے"۔ جب یہ منتشر اشعار ہیں اور ان میں مناجات کا انداز ہے تو منطقی طور پر یہ نتیجہ کیسے اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ان میں نعت بھی ضروری تھی۔ دستور کے مطابق مناجات کے بعد ہی نعت لکھی جاتی ہے۔ جب یہ نامکمل رہ گئی ہے تو پھر نعت کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب یہ بھی تحریر فرماتے ہیں: "حمد میں فیضی کے اشعار دیوان میں بھی ملتے ہیں لیکن نعت میں ایک ہی رباعی نظر آتی ہے جو معلوم نہیں کب لکھی تھی"۔ اس کے بعد رباعی درج ہے۔ جسے پوری عبارت کے تسلسل میں اقتباس کر چکا ہوں۔ اس بارے میں یہ عرض ہے کہ فیضی کے دیوان میں جو طباشیر الصبح کے نام سے موسوم ہے۔ اس رباعی کے علاوہ بھی نعتیہ رباعیات موجود ہیں مثلاً:

شاہی بہ راہ روزہ دادی شب را — در مہر تش سنگ کشادی لب را
ہر جا ز نشان قدمش نیست کہ سنگ — از شوق مکش کردہ تہی قالب را

شاہی کہ درش قبلۂ عالم دانند — گرد قدمش سپہر اعظم دانند
ہر دل کہ اثر پذیر نبود از وی — حقا کہ ز سنگ خارہ اش کم دانند

۱۔ بدایونی، جلد دوم

سلطانِ رسل پناہ شاہ قرشی — ماہ علمش شہر بہ خورشید وشی
ہر چند نبود سایۂ او را لیکن — چون سایہ باو بود بلالِ حبشی

آن منتخب رسالۂ علم قدم — دیباچۂ دل کشائی فہرست کرم
ناخواندہ سواد عیب را روشن کرد — زان پیش کہ بر لوح نہادند قلم

فیضی کے دیوان میں قریب سو شعر کی نعت موجود ہے جس کے کچھ اشعار درج کیے جا رہے ہیں:

فیض را سدرہ علیای تو منبع دانند — نور را امر قدِ والای تو مصدر گیرند
صاحب عرشِ عظیم احمد مرسل کہ بعرش — قدسیان مصحفِ اخلاقِ وی از زر گیرند
آن مقدس گہری کانجم و افلاک ہمہ — سبقِ قدس ازان عنصرِ اطہر گیرند
رونق افزای گلستان سیان ملکوت — کہ عرق زادۂ رویش گل احمر گیرند
نغمہ سنجانِ ازل نعتِ کمالش خوانند — چون بیابان بر سر دیگر از بہر گیرند
فیض بخشا توی آن بحر کہ از موجِ ازل — فیض را وارثِ مولائی تو مظہر گیرند
حاصل مبحثِ اعراض و جواہر آنست — کہ دو عالم عرضِ ذاتِ تو جوہر گیرند
چشمۂ عقل کہ از شرع تو ماند بے آب — گر ہمہ چشمۂ مہر است نہ در خور گیرند
در سرا پردۂ نعتِ تو من آن پردہ کشم — کہ بیانم بہ پی کلکِ نوا گر گیرند
آن شگرفم کہ مقیمانِ سراپردہ یقین — وہم با نفسِ سوختہ مجمر گیرند
نظم فیضی ز مدیح تو بآن بار رسید — کہ چو منشورِ سعادت ہمہ بر سر گیرند
تا ابد باد درت قبلہ گہ کام روا — کہ طوافِ حرمت را حج اکبر گیرند

اس کے علاوہ منقبت میں جو لعتنیہ اشعار ہیں وہ بھی ملاحظہ ہوں:

نوری نبوی در نظرِ ماست ہویدا — روشن نظر آنیم علی را نشناسیم!
با دید بسوزیم ز خورشیدِ قیامت — گر پرتوِ آن شمسِ ضحیٰ را نشناسیم
تاریک شود ہر دو جہاں در نظرِ ما — گر طلعتِ آن بدرِ دجیٰ را نشناسیم
بر دانشِ ما انجمِ افلاک نبخشند — گر صاحبِ لولاک لما را نشناسیم

اب اہلِ نظر خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کیا ان اشعار کا کہنے والا منکرِ نبوت ہو سکتا ہے ؟

پروفیسر محمد اسلم صاحب اپنی کتاب "دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر" میں فیضی کی نعت گوئی کے سلسلے میں فرماتے ہیں : "جہاں تک فیضی کی نعت گوئی کا تعلق ہے اس ضمن میں عرض ہے کہ آج بھی بہت سے ہندو اور سکھ شاعر موجود ہیں جنھوں نے حضور سرورِ کائنات کی شان میں معرکہ آرا نعتیں لکھی ہیں۔ کیا ان نعتوں کو ان کی اسلام دوستی پر محمول کیا جائے گا ؟ ہمارے خیال میں فیضی کی تفسیر نویسی اور نعت گوئی کو اس کے ایمان کی دلیل بنا کر بدایونی کو دروغ گوئی اور کذب نگاری کا الزام نہیں دیا جا سکتا۔" (ص ۱۸۰)

اس سلسلے میں اسلم صاحب سے میری گزارش ہے کہ از راہِ انصاف کسی ایک غیر مسلم شاعر کے کلام سے نعت یا حمد میں کوئی ایک شعر فیضی کے مقابلے میں پیش کریں۔ مجھے امید ہے، وہ ایسا نہیں کر سکیں گے۔ بے شک غیر مسلموں نے بھی نعتیں اور حمد کہی ہیں۔ لیکن جذبات میں وہ حدت کہاں جو جذبِ ایمانی ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ فیضی کے ان اشعار میں جو تپش ہے وہ نورِ ایمانی ہی کی بدولت ہے۔

خاندیش کی سفارت کے دوران میں اس نے ایک طویل خط اکبر کو لکھا تھا جس میں مذہب کے دعوے داروں کی متعدد لغو باتیں بیان کی ہیں۔ وہ اس خط میں لکھتا ہے کہ توحید کے ان دعوے داروں نے کسی نہ کسی انسان کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور خدا کی پرستش سے غافل ہو کر ساری توجہ انسان کی طرف کر رکھی ہے۔ دکن کی نسبت لکھتا ہے کہ اس ملک میں قدیم دکنی فی الحقیقت داور الملک کی پرستش کرتے ہیں جسے عوام الناس دار الملک کہتے ہیں۔ یہ گجرات کے سپاہیوں میں سے تھا، وہیں ہلاک ہو گیا۔ اب بیس تیس جگہ اس کی قبریں بنائی گئی ہیں اور ہر جگہ معتقدوں کا ہجوم رہتا ہے۔

پھر مُلّا عبداللطیف بربری کی زبانی ایک قصہ لکھا ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ تصوّف و مشیخت کے دعوے دار اپنا اعتبار بڑھانے اور جہلا کو بہکانے کے لیے کیسی کیسی مضحکہ خیز باتیں کرتے تھے۔ مُلا عبداللطیف نے بیان کیا کہ سید محمد گیسو دراز کی اولاد میں سے ایک صاحب ہیں جن کا نام حضرت اللہ ہے۔ گزشتہ سال وہ ایک دفعہ برہان پور آئے تو ملاقات کے دوران

مجھے کہنے لگے کہ تم جانتے ہو کہ میں کون ہوں ؟ میں کچھ نہ بولا تو فرمایا کہ جب حضرت مریم علیہا السلام آسمان پر گئیں تو حضرت میر سید گیسو دراز کو حاضر کیا گیا اور ان کی شادی حضرت مریم سے کر دی گئی میں ان کی اولاد میں سے ہوں۔ اس پر مُلّا عبداللطیف نے کہا کہ تب تو آپ کو فرنگستان تشریف لے جانا چاہیے جہاں کے لوگ ابنِ مریم کے پجاری ہیں۔ حضرت اللہ نے جواب دیا کہ وہ ولایت میرے سوتیلے بھائی عیسٰی کے سپرد ہے۔ پتا نہیں وہاں میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے[1]

یہی باتیں تھیں جس کی وجہ سے فیضی اسلام کے نام نہاد ترجمانوں سے بیزار ہو گیا تھا۔ ان باتوں کے علاوہ اس کے عہد کے اکابر علما کا کردار بھی اس کے پیشِ نظر تھا، جن کا دربارِ اکبری میں کافی رسوخ تھا۔ ان علما کی کھوکھلی زندگیاں بھی دیکھ کر اگر وہ تقلیدی مذہب سے بیزار ہو گیا تھا تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

فیضی نے آخر عمر میں قرآن پاک کی جو تفسیر سواطع الالہام کے نام سے لکھی ہے، اگر اس سے فیضی کے خیالات کا اندازہ کیا جائے تو کہنا پڑتا ہے کہ وہ راسخ العقیدہ مسلمان تھا۔ مُلّا بدایونی نے بڑی چابک دستی سے فیضی کی تفسیر کے سلسلے میں نیش زنی کی ہے۔ تفسیر کے بارے میں وہ لکھتا ہے: "تفسیرِ بے نقط برائے شستن بدنامی کہ تا روزِ جزا بصد آب دریا شستہ نہ گردد در عینِ حالتِ مستی و جنابت می نوشت وسگان آن را از ہر طرف پائمال ساختند"[2]

مُلّا بدایونی فیضی کے کفر و الحاد کے بارے میں ایسی گل افشانیاں کر گئے کہ اس کی شخصیت اب تک مورخین کے درمیان مابہ النزاع بنی ہوئی ہے اور تفسیر کے بارے میں ان کا یہ ارشاد ہے کہ یہ تفسیر نشے اور جنابت کے عالم میں لکھی گئی ہے اور اس کے مسودات پر کتّے لوٹا کرتے تھے۔

دورِ جدید کے محقق محمد اسلم صاحب، استاد شعبۂ تاریخ پنجاب یونی ورسٹی، جنھوں نے دینِ الٰہی کے موضوع پر مکھن لال رائے چودھری کے بعد ایک مبسوط کتاب لکھی ہے، اس سلسلے میں ارشاد فرماتے ہیں:

"اسی طرح بدایونی نے فیضی کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ بھی حقیقت سے بعید نہیں۔ مثلاً یہ کہ فیضی عینِ مستی اور جنابت کی حالت میں قرآن کی تفسیر لکھا کرتا تھا اور اس کے اوراق جا بجا بکھرے پڑے

---

[1] شیخ محمد اکرام، رودِ کوثر

[2] بدایونی، منتخب التواریخ ۳

رہتے اور ان پر پلے لوٹتے تھے۔ جہاں تک کتے پالنے اور انھیں گود میں بٹھانے کا تعلق ہے یہ بات فیضی اور عرفی کی نوک جھونک سے بھی ثابت ہے۔ اب رہی یہ بات کہ وہ غسلِ جنابت کا قائل نہیں تھا تو ہم بدایونی کے ناقدین سے یہ پوچھتے ہیں کہ دینِ الٰہی میں غسل جنابت فرض ہی کب تھا؟[1]

مندرجہ ذیل سطور میں کچھ تاریخی شواہد پیش کر رہا ہوں تاکہ قارئین کرام خود اندازہ کرلیں کہ تفسیر کے سلسلے میں بدایونی کا بیان کہاں تک معتبر ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی کے ایک مشہور خلیفہ خواجہ محمد ہاشم کشمی "زبدۃ المقامات" میں لکھتے ہیں:

روزی حضرت ایشاں (مجدد) بمنزل فیضی برلور او (ابوالفضل) درآمدہ اند کہ در تحریر تفسیر بے نقط بودہ۔ چوں ایشاں را دیدہ خوش گشتہ و گفتہ خوب رسیدند۔ موضعی از تفسیر پیش آمدہ کہ آن را بحروف غیر معجمہ تاویل و تفسیر نمودن معتذر شدہ۔ من دماغ بسیار سوختم اما عبارت دلخواہ بدست نیامد۔ حضرت ایشان با آنکہ تحریر عبارات بے نقط نورزیدہ بودند در رسالت مطالب کثیرہ در کمال بلاغت برنگارشتند کہ فیضی در حیرت رفت۔[2]

"ایک روز حضرت (مجدد) ابوالفضل کے بھائی فیضی کے مکان پر گئے وہ تفسیر غیر معجمہ کے لکھنے میں مشغول تھا۔ جب آپ کو دیکھا تو بڑا خوش ہوا اور کہا کہ آپ اچھے وقت آئے اس وقت میں تفسیر کے لیے ایک ایسی بات لکھنا چاہتا ہوں جس کے لیے غیر منقوط الفاظ نہیں ملتے۔ بہت دماغ سوزی کی لیکن خاطر خواہ عبارت نہیں لکھ سکا۔ آپ نے اسی وقت باوجودیکہ آپ کو غیر منقوط عبارت لکھنے کا محاورہ نہ تھا، اس مقام کی تفسیر اس طرح فصاحت و بلاغت سے لکھ دی کہ فیضی حیران رہ گیا۔"

حضرت مجدد الف ثانی کی ایک دوسری معاصرانہ سوانح عمری "حضرات القدس" میں بھی اس کا ذکر موجود ہے جو مولانا بدرالدین سرہندی نے لکھی ہے۔ بدرالدین لکھتے ہیں کہ حضرت مجدد نے تفسیر بے نقط کی تحریر میں فیضی کی بڑی مدد کی تھی اور تفسیر کا ایک حصہ اسے لکھ کر دیا تھا۔ بخت اور خاں نے بھی اپنی تاریخ "مرآۃ العالم" میں اس کا ذکر کیا ہے[3] اس کے علاوہ عہدِ اکبری کے چند مقتدر علما نے فیضی

---

[1] دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر، ص ۲۷

[2] زبدۃ المقامات۔ ورق ۱۵ ب قلمی نسخہ قومی عجائب خانہ، کراچی۔

[3] مرآۃ العالم ورق ۳۷۲ الف۔ قلمی نسخہ قومی عجائب خانہ، کراچی۔

کی اس تفسیر پر تقاریظ لکھی ہیں۔ سواطع الالہام کا ایک قلمی نسخہ جو قرائن سے معاصر نسخہ معلوم ہوتا ہے قومی عجائب خانہ کراچی میں موجود ہے جس میں بالترتیب مندرجہ ذیل علما کی تقریظیں موجود ہیں:

۱۔ شیخ یعقوب صرفی کشمیری، ۲۔ قاضی نور اللہ شوستری، ۳۔ مولانا جمال تلہ، ۴۔ احمد بن مصطفیٰ الشریف الحسینی، ۵۔ امان اللہ ابن غازی السرہندی۔

ان کے علاوہ دو شعرا کا منظوم خراج عقیدت ہے اور یہ دونوں اس عہد کے بڑے فارسی شعرا میں شمار ہوتے تھے۔ ایک ظہوری ہے اور دوسرا حیدر رفیعی طباطبائی معمائی ہے۔ تمام تقریظیں عربی زبان میں لکھی گئی ہیں سوائے ظہوری اور معمائی کے خراج عقیدت کے جو فارسی نظم میں ہے۔ ان تمام علما نے جنھوں نے تقریظیں لکھی ہیں فیضی کی اس تفسیر کی بے حد تعریف کی ہے۔ میں یہاں صرف شیخ یعقوب صرفی کشمیری کے خیالات پیش کرتا ہوں جو انھوں نے تفسیر اور صاحب تفسیر کے لیے کہے ہیں۔ اپنی تقریظ میں اس تفسیر کے بارے میں وہ فرماتے ہیں:

"واللہ لم یکن الفوز باختراع ھذا التفسیر الخارج عن الطوف والانسان الا بسوانح الالقاء السبحانی وبسواطع الالھام الربانی"

(خدا کی قسم! (انسانی) اختراع سے کامیابی ممکن نہیں۔ یہ تفسیر انسان کے احاطۂ خیال سے خارج ہے، سوائے واردات القائے سبحانی کے اور الہام ربانی کی بلندیوں کے۔

پھر فرماتے ہیں: "ما مست مثلہ ایدی الافکار"

(دستِ فکر ایسی بلند پایہ عجوبۂ روزگار (تفسیر) تک پہنچنے سے قاصر رہے ہیں)

پھر ارشاد ہوتا ہے: "ولم یکتحل بنظیرہ اعین الاعقاب ولا اعصار"

(اور صدیوں اور زمانوں کی آنکھیں (اس جیسی) وحیدِ عصر سے سرگیں نہیں ہوئیں)

یہ رائے ملاحظہ کیجیے: "اقوی التفاسیر برھانا فابینھا بیانا من اولہ واٰخرہ متحلی"

(ایک طرف) دلائل کے لحاظ سے تمام تفاسیر میں قوی تر ہے تو (دوسری طرف) بلاغت میں حد کو پہنچی ہوئی ہے۔ شروع سے آخر تک خوبیوں کے زیور سے آراستہ)

ایک اور مقام پر فیضی کے بارے میں ارشاد ہے:

"کیف لا تظلم ھذہ الخوارق للعادۃ من المولف المختص بالفضل والزیادۃ، فانہ

من مفتتح الصغر إلی اقصی الشباب لا یزال مستفیضاً فی العلوم والآداب من حضرۃ والدہ الکریم المکرم واستادہ ومرشدہ الفخیم المفخم الذی ھو قدوۃ العلماء والاولیاء ومصداق حدیث العلماء ورثۃ الانبیاء۔ اعلم الزمان فی العلوم الظاھرۃ والباطنۃ واعرف الدوران بالاسرار الالٰھیۃ الکامنیۃ ناظم مناظم الشریعۃ۔ عارج معارج الحقیقۃ ھادی الطریقین امام الفریقین ولہ من اذواق النبوۃ حظ جزیل۔ فانہ من العلماء الذین ھم کانبیاء بنی اسرائیل..... الخ"

یہ خوارق عادات ایسے مؤلف سے کیوں نہ ظہور میں آئیں جو انتہائی فضیلت اور عظمت سے مختص ہے۔ کیونکہ وہ اوائل عمر سے عنفوان شباب تک علوم وآداب میں ہمیشہ اپنے بزرگ ومکرم والد ماجد سے فیض حاصل کرتے رہے جو ان کے استاد اور رہنما بھی تھے جو کہ علمائے کرام اور اولیائے عظام کے قائد اور اس حدیث کے مصداق تھے کہ العلماء ورثۃ الانبیاء وہ اپنے زمانے کے ظاہری اور باطنی علوم کے سب سے بڑے عالم اور اسرار الٰہیہ کے سب سے بڑے عارف تھے۔ شریعت کی تنظیم کرنے والے حقیقت کی بلندیوں تک پہنچنے والے، ہادی الطریقین اور امام الفریقین تھے اور انھیں ذوق نبوی میں حظ عظیم حاصل ہوا ہے کیوں کہ وہ ان علما میں سے ایک ہیں جو بنی اسرائیل کے انبیا علیہم السلام کی طرح ہیں۔

اور اس کے علاوہ مولانا جمال تلہ لاہوری کے بھی دو جملے اس تفسیر کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا جمال فرماتے ہیں: لم یکتحل عین انسان بثانیہ ولم یتمثل انسان عین ما رأیہ بثانیہ"۔ انسانی آنکھ نے اس جیسی دوسری (تفسیر) سے سرمہ نہیں لگایا (اخذ نور کیا) اور انسان کسی ایسی آنکھ کی مثال نہیں دے سکتا جو اس سے (ایسی خصوصیت میں) مماثلت نہ رکھتی ہو"۔

شیخ یعقوب صرفی کی ذات ظاہری اور باطنی علوم میں بہت ممتاز تھی۔ وہ شیخ حسین خوارزمی کے خلیفہ تھے۔ علامہ شیخ ابن حجر کے شاگرد تھے۔ حدیث میں ان سے سند حاصل کی تھی۔ انھوں نے عرب وعجم کے بڑے بڑے شیوخ سے کسب فیض کیا تھا۔ حرمین شریفین کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے تھے۔ ملا بدایونی ان کے متعلق لکھتا ہے:

"مجمع فضائل وکمالات بود...... در لباس مشیخت سفر بسیار کردہ واکثری از عظمائے مشائخ عرب وعجم را ملازمت نمودہ وفوائد بسیار اندوختہ ونعمت ارشاد وہدایت یافتہ ومرید بسیار چہ در ہند

وچہ در کشمیر و خانقاہ وارد و صاحبِ تصانیف علیہ راقم است ـ ۔ ۔ ۔ ۔ در جمیع علوم عربیت از تفسیر و حدیث و تصوف مشار الیہ و معتمد علیہ و مسند امام است و درین ایام کہ رحلت او نزدیک بود تفسیری مے نوشت کہ آیتی است از کمالات او و ہم بادشاہ مغفرت پناہ (ہمایوں) و ہم شاہنشاہی (اکبر) را نسبت بوی اعتقاد غریب بود و بشرف صحبت اختصاص داشتہ و منظور نظر شفقت اثر گشتہ معزز و مکرم و محترم بود وجذبی و ایثاری داشت کہ در اقران فوق او متصور نبود۔“

بدایونی نے ان سے اپنی خط و کتابت بھی نقل کی ہے ۔ آخر میں ان کے بارے میں لکھتا ہے :

”الحاصل اوصاف تعریف و کمالات شیخ چہ من عاجز بی زبان است و آثار جمیلہ او کہ دامان بہ میان قیامت بستہ است شاہد حال او بس است ۔“ بدایونی نے ان کی تاریخ وفات ”شیخ امم بود“ سے نکالی ہے[1] (۱۰۰۳ھ) شیخ صرفی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے استاد تھے[2] حضرت مجدد نے علم حدیث ان سے حاصل کیا تھا اور علم طریقت میں بھی ان کے شاگرد تھے حضرت مجدد نے دیگر سلاسل کے ساتھ ساتھ طریقہ کبرویہ میں ان سے کسب فیض کیا تھا[3]

شیخ صرفی کے علاوہ قاضی نور اللہ ششتری اور مولانا جمال تلہ کا ذکر بھی بدایونی بڑے اچھے الفاظ میں کرتا ہے ۔ قاضی نور اللہ ششتری کے بارے میں لکھتا ہے :

”بسیار بصفت تصنّف و عدالت و نیک نفسی و حیا و تقوی و عفاف و اوصاف اشراف موصوف است و بعلم و حلم و جودتِ فہم و حدتِ طبع و صفائی قریحہ و ذکا مشہور است ۔ صاحب تصانیفِ لایقہ است ۔ توفیقی بر تفسیر مہمل شیخ فیضی نوشتہ کہ از حد تعریف و توصیف بیرون است“[4]

مولانا جمال تلہ کے متعلق بدایونی لکھتا ہے : الحال اعلم العلماء وقت و مدرس متعین لاہور است ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جوہریست در کمال قابلیت و حدتِ طبع و جامع جمیع اقسام علوم عقلی و نقلی میگویند کہ از ہشت سالگی باز بافادہ مشغول است و خوش تقریر و فصیح گوئی چناں چہ مباحثِ دقیقہ معقول

۱ے منتخب التواریخ، ج ۲

۲ے زبدۃ المقامات ورق ۵۰ الف ۔ قلمی نسخہ قومی عجائب خانہ، کراچی ۔

۳ے شیخ محمد اکرام، رود کوثر

۴ے منتخب التواریخ، ج ۲

ومنقول باسانی خاطر نشان شاگرد می سازد ومشفق است وصاحب صلاح ونقوی، وحافظ است و متخلق باخلاق حمیدہ تفسیر شیخ فیضی را اکثری او اصلاح دادہ ومربوط ساختہ[1]

سواطع الالہام کے مطبوعہ[2] نسخے میں اس کے علاوہ تین علما کی تقریظیں اور ہیں جن کے نام یہ ہیں: (۱) محمد الحسینی المشہور بہ شامی۔ (۲) الجابری۔ (۳) فضیل ابن جلال الواصل الصدیقی۔ ان علما کے حالات مجھے دستیاب نہ ہو سکے۔ لہٰذا ان کے متعلق کہہ نہیں سکتا کہ یہ کون تھے اور ان کا علمی مقام کیا تھا۔

ایک ایسی تفسیر جس کے بارے میں بدایونی کا کہنا ہے کہ وہ نشے کی حالت میں لکھی گئی اور اس کے مسودات پر کتے کے پلّے لوٹا کرتے تھے، تعجب ہے، ان اکابر علما نے تقریظیں لکھی ہیں جن کی عظمت کا بدایونی خود معترف ہے۔ قطع نظر دو نامور علما کے یعنی قاضی نور اللہ شستری اور مولانا جمال تلّہ، محض شیخ صرفی کے ارشادات فیضی اور اس کی تفسیر کے بارے میں سب سے زیادہ وزن رکھتے ہیں، کیوں کہ شیخ صرفی کی شخصیت ماوراء النزاع ہے۔ بدایونی بھی جو ان کا معاصر تھا، اور شیخ سے راہ و رسم بھی رکھتا تھا، ان کے زہد و اتقا کا قائل ہے۔ اس سلسلے میں غور طلب بات یہ ہے کہ کیا ان تمام علما میں کسی کو یہ بات دکھائی نہ دی کہ یہ تفسیر نجاست کے عالم میں لکھی گئی ہے اور ایک خبیث انسان نے لکھی ہے۔ الّا مُلّا بدایونی کے؟ بڑی حیرت کی بات ہے یہ تمام علما اس چیز سے بے خبر تھے اور شیخ یعقوب صرفی کو بھی اس بات کا علم نہ تھا جو فیضی کی تفسیر کے لیے یہ فرما گئے۔ "اور خدا کی قسم! انسانی اختراع سے کامیابی ممکن نہیں۔ یہ تفسیر انسان کے احاطۂ خیال سے خارج ہے سوائے واردات القائے سبحانی کے اور الہام ربانی کی بلندیوں کے۔" قرائن سے یہ بھی ممکن نہیں کہ ان علمائے ذاتی منفعت کی بنا پر فیضی کی تفسیر کی تعریف کی ہو، کیوں کہ ان اکابر علما کے تاریخی حالات یہ بتاتے ہیں کہ وہ جاہ پرست اور دنیادار نہ تھے۔ اس کے علاوہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی بھی فیضی سے ربط و ضبط رکھتے تھے اور اس کی مذہبی بے راہ روی اور آزاد خیالی کے شاکی بھی تھے۔ لیکن کیا فیضی کی تفسیر کے بارے میں ان کا بھی وہی خیال ہے جو مُلّا بدایونی کا ہے؟ کیا تفسیر لکھنے کے دوران سوائے بدایونی کے

---

[1] منتخب التواریخ، ج ۲۔

[2] نول کشور پریس لکھنؤ۔

ان تمام علما میں سے کوئی بھی اس سے نہ ملا ہوگا؟ کیا تفسیر صرف چند دنوں میں مکمل ہوگئی تھی کہ کسی دوسرے شخص کو یہ دیکھنے کا موقع نہ ملا کہ فیضی نے تفسیر کس عالم میں لکھی؟ اور پھر سب سے اہم شہادت حضرت مجدّد کی ہے جنھوں نے تفسیر لکھنے میں اس کی مدد کی تھی۔ اگر فیضی یہ تفسیر نشے اور جنابت کی حالت میں لکھتا اور اس کے مسودات پر کتے کے پلّے لوٹتے تو کیا حضرت مجدّد نہ دیکھتے اور اس کا ذکر نہ کرتے؟ اور پھر حضرت کے سوانح نگار خواجہ محمد ہاشم کشمی کے اس جملے سے "چوں ایشاں را دیدہ (فیضی نے) خوش گشتہ وگفتہ خوب رسیدند" یہ بات بھی ثابت ہو رہی ہے کہ حضرت مجدّد کا فیضی کے پاس برابر آنا جانا تھا، ان کے پاس اتفاقاً نہیں گئے تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد اپنی کتاب "تذکرہ" میں حضرت عبدالحق محدث دہلوی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "شاہ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس سے زیادہ بدایونی نے کون سی بات لکھی ہے۔ البتہ شاہ صاحب تہذیب نگارش و طرق احتیاط وعفو پر نظر رکھ کر پردے پردے میں لکھتے ہیں اور بدایونی اپنے جوش حق گوئی و اضطراب راست بیانی میں کسی بات کی پروا نہیں کرتے"[1] بڑا تعجب ہے مولانا آزاد جیسا متبحر اور یگانہ روزگار عالم بغیر تحقیق کیے بدایونی کی حق گوئی اور راست بیانی کا قائل ہوگیا۔

فیضی نے یہ تفسیر ۱۰۰۲ھ میں مکمل کی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب دین الٰہی کو قائم ہوئے ۱۲ سال گزر چکے تھے اور دربار اکبری کی مذہبی بے راہ روی اپنے کمال تک پہنچ چکی تھی، اور بقول بدایونی فیضی، اکبر کے ان مذہبی خرافات میں شریک تھا کیوں کہ وہ مرتد تھا۔ مگر تعجب ہے اس کے ملحدانہ خیالات کی ہلکی سی جھلک تک تفسیر میں نظر نہیں آتی۔ اس کو اپنے خیالات کی ترجمانی سے کیا چیز روک سکتی تھی۔ تاریخ اسلام کے عظیم مورخ علامہ شبلی عہد اکبری کی مذہبی تاریخ لکھنے کے بعد فیضی کی تفسیر کے بارے میں اظہار رائے کرتے ہیں:

"فیضی نے تفسیر ان واقعات کے بعد لکھی ہے لیکن ایک ذرہ مسلمات عام کی شاہ راہ سے نہیں ہٹا۔ سچ تو یہ ہے کہ فیضی کی مذہبی آزادی ہم جو کچھ سنتے ہیں، زبانی سنتے ہیں تصنیفات میں تو وہ ملّائے مسجد ہی نظر آتا ہے"[2] (باقی آئندہ)

---

[1] تذکرہ، ص ۴۳

[2] شیخ محمد اکرام: رود کوثر